اسلام اور مستشرقین

تحریر:- مقتدی حسن الازہری

تحریر:- عبدالوہاب حجازی

اسلام خدائے تعالیٰ کا ازلی اور ابدی نظام حیات ہے۔اس نے ہمیں ایک ایسا پیغام دیا جس نے سیاہیوں کے سارے پردے سرکا کر زیست کی ان گنت منزلوں میں ہمیں عدیم المثال روشنی عطا کی اور حیات دنیوی اور آخروی میں ہماری کامیابی اور کامرانی کا ضامن بنا۔ اگلی شریعتوں اور گزرے ہوئے اصول حیات میں خیر کے جتنے بھی پہلو ہو سکتے تھے سب کو اس نے اپنے اندر سمیٹ لیا ہے۔ ایسے وسائل خود اسلام اور اس کے پیغام کے ذاتی وسائل ہیں جو انسانیت کے عروج اور نوع انسانی کی متحرک زندگی کے سفر کے لئے امن وسلامتی کے ضامن ہیں۔اسلام کا یہ پیغام رواداری اور آسانی کا پیغام ہے حریت اور سلامتی کا پیغام ہے۔ عقل اور دل کا پیغام ہے۔ مادہ اور روح کا پیغام ہے۔ فطری قوانین اور ضابطے کا پیغام ہے۔اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے:

يا ايها الناس قد جاء كم برهان من ربكم و انزلنا اليكم نورا مبينا۔ (سورہ نساء آیت ۱۷۴)

لیکن اسلام اور پوری انسانیت کے دشمنوں کو یہ آسان ازلی اور ابدی پیغام بھایا نہیں۔ کیونکہ یہ ان کے مادی اغراض و مقاصد سے میل نہیں کھاتا تھا۔اس لئے انہوں نے اس کے راستے کو مسدود کرنا چاہا۔ مختلف سازشوں اور تدبیروں کی آپادھاپی میں پڑے۔اس کی راہ کو مسدود کرنے کے لئے نوع بنوع شدائد اور مشقتوں کو دعوت دی۔ پیغام اور صاحب پیغام کی عیب جوئیاں کیں۔اس کے اصول و مبادی کو بگاڑا۔اس کے ماننے والوں پر کرب وبلا کے پہاڑ ڈھائے۔

يريدون ليطفئوا نور الله بافواههم والله متم نوره ولو كره الكافرون۔ (سورۃ الصف آیۃ ۸)

اسلام کے یہ دشمن بے شمار ہیں۔ کوئی مذہب انہیں اپنی تنظیم کے دھاگہ میں پرو نہیں سکتا۔ ہر شخص اپنے طور پر حتی المقدور مصروف ہے اور اپنے ناپاک مقاصد کے حصول کے چکر میں لگا ہوا ہے۔ اصنام پرست اور بدھ ازم کے ماننے والے سامراجی اور ملحدین نیز مستشرقین اور مبلغین میں سے ان کے معاونین اور پیروکار سب کی نگاہیں فقط ایک نصب العین پر مرکوز ہیں اور وہ اسلام اور مسلمانوں کا استیصال ہے۔ لیکن سب سے زیادہ خطرناک دشمن مستشرقین ہیں جو اپنی تحقیقات کو "جدید علمی انداز" کے نام سے موسوم کرتے ہیں اور اپنے مقاصد کے حصول کے لئے ظاہری اور پوشیدہ ہر قسم کے اسباب سے کام لیتے ہیں۔ مستشرقین کے سلسلہ میں عربی زبان میں کافی تحقیق اور

> **مستشرقین اپنے استشراق اور تبلیغ کے ذریعے فقط ایک مقصد کے حصول پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے ہیں اور وہ یہ کہ استعماری خواہشات کو پورا کیا جائے اور اس کی توسیع پسندی کی پیاس کو بجھایا جائے۔ استعماریت کے حاملین اسلام اور مسلمانوں کو اپنا سب سے عظیم دشمن سمجھتے ہیں۔**

چھان بین ہو چکی ہے۔ عرب اہل قلم اور نقادوں نے اپنی بے لاگ تنقیدوں کے ذریعہ مستشرقین کی تصانیف کے خام پہلوؤں کو واضح کیا ہے اور اسلام اور مسلمانوں کے بارے میں ان کی بدنیتی اور کینہ پروری کی نقاب کشائی کی ہے۔ ان میں ایسے نقاد کثرت سے ہیں جنہوں نے ان کی تحریروں کے آئینہ میں ان کے مقاصد کی تصویروں کو جھانک لیا ہے۔ لیکن کبھی کبھی ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی نقاد کو مستشرقین کے علمی اسلوب سے دھوکا لگ گیا اور وہ ان کے مقاصد تک پہونچنے اور انکی بری نیتوں کے آشکارا کرنے پر قادر نہیں ہوا۔ اس لئے اس نے یہ سمجھ لیا کہ یہ لوگ علمی خدمات اور تحقیقات ہی کو اپنا مطمع نظر گردانتے ہیں۔ زیر نظر مقالے سے میں اس موضوع پر کوئی تفصیلی گفتگو کرنا نہیں چاہتا۔ اس کے لئے دوسرے مواقع میسر آسکتے ہیں۔ البتہ جو چیز اس وقت ہماری نگاہ میں زیادہ اہمیت رکھتی ہے وہ یہ ہے کہ ہم اسلامی تحقیقات کے سلسلہ میں کچھ یورپین لوگوں کی سرگرمیوں اور جدوجہد کی طرف اشارہ کردیں اور اس خطرے کی نشاندہی کردیں جو مسلمانوں میں سرایت کر رہا ہے جیسے خود مسلمانوں کے بہت سے ارباب فکرو نظر اور صحاب علم وسیاست ہاتھ آگئے ہیں شاید اس کے ذریعہ ہم تحقیق کا ایک راستہ ہموار کردیں جو مسلمانوں کے لئے نفع بخش ثابت ہو اور اسلامی انشاء پردازوں کو علمی حیثیت سے اس موضوع کے اختیار کرنے پر ابھارے ہندوستان میں اسلامی تحقیقات کو اس موضوع کی سخت ضرورت ہے۔

یہودیت اور استشراق کا اعتناء دینی حیثیت سے یہ ہے کہ اسلام کو کمزور بنایا جائے اور اس کے نظریات میں تشکیک پیدا کی جائے کہ یہودیت اسلام سے افضل ہے۔

استشراق کا نشوونما

استشراق کی تاریخ ابتداء قرون وسطی سے متعلق ہے۔ اس کا ظہور سب سے پہلے راہبوں کے اندر ہوا جن میں سب زیادہ مشہور جربرٹ ہے۔ یہ ایک فرانسیسی راہب ہے۔ عربی علوم سے استفادہ کے لئے اس نے اندلس کا سفر کیا۔ وہاں علمائے اندلس سے علم حاصل کیا۔ اشبیلیہ اور قرطبہ کے مدارس سے متعلق رہا پھر روم کا سفر کیا۔ جہاں اس کے کمال اور معاصرین پر برتری کے آثار ظاہر ہوئے۔ بارہویں صدی عیسوی کی ابتداء میں (۱۱۱۱ تا ۱۱۸۷ء) جیراروی کریمن نام کا ایک دوسرا راہب پیدا ہوا جس نے عربی تہذیب کی تحقیق میں بھرپور حصہ لیا اور کندی، فارابی، ابن سینا اور رازی کے فلسفے کو لاطینی زبان میں منتقل کیا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس نے علوم و آداب اور طب نیز دیگر متداول علوم وفنون میں ستر کتابوں کا ترجمہ کیا۔ لیکن افسوس کہ دشمنوں کے ہاتھوں اصل عربی کتابیں ضائع ہوگئیں اور لاطینی زبان میں صرف ان کا ترجمہ باقی رہ گیا۔ استشراق کے نشوونما کے کھلے ہوئے حقیقی اسباب میں سے ایک سبب یہ ہے کہ مستشرقین کو یورپ کی فکری حرکت کی منزل تک پہنچنے میں عربوں کے اندلس کو فتح کرنے اور جزیرہ صقلیہ اور اس کے علاوہ بحر ابیض متوسط کے جزیروں نیز جنوبی فرانس پر ان کے قبضہ نے بہت ساتھ دیا۔ جس طرح صلیبی جنگوں نے اس تحریک کے اٹھان میں بہت کام کیا ان جنگوں نے مشرق کو مغرب کے بہت قریب کردیا۔ جس کی وجہ سے مغربی علماء کو فکر و ثقافت کا وسیع میدان ہاتھ آگیا۔ چنانچہ وہ لوگ عربی تہذیب کی تحقیق و تدقیق کی طرف پوری طرح متوجہ ہوگئے۔ اسی طرح آستانہ کا زوال عربی تہذیب کی ترویج و اشاعت کے مخصوص عوام میں سے تھا۔ کیونکہ یورپین علماء کو اس طرح مشرقی افکار و نظریات کے خزینے کا سراغ مل گیا۔ اس کے علاوہ مشرقی علوم کی چھان بین کے لئے بہت سی انجمنوں کی تشکیل دی گئی۔ جیسے شاہی ایشیائی سوسائٹی اور فرانسیسی سوسائٹی وغیرہ ان انجمنوں نے عام طور پر عربی تہذیب کی تحقیق ہی کو اپنا بنیادی نصب العین قرار دیا۔ جو یورپ کے مختلف اطراف کے مختلف اطراف و جوانب میں کثیر تعداد میں پائی جاتی تھیں۔ یہ انجمنیں مغرب کے ممتاز علماء کی نگرانی میں اپنا کام کرتی تھیں۔ جنہوں نے اس میدان کے لئے اپنی زندگی وقف کردی تھی۔ مشرقی تہذیب کو عموماً اور عربی تہذیب کو خصوصاً رواج دینے کے لئے مستشرقین نے یورپ کے مرکزی مقامات میں عام طور پر کانفرنسیں منعقد کیں۔ جہاں نئے پیدا شدہ مسائل پر تبادلہ خیالات اور مشرق سے متعلق نیز اور دیگر مختلف مسائل کے سلسلہ میں

بحث و تفتیش ہوتی۔ اس سلسلہ کی سب سے پہلی کانفرنس جسے مستشرقین نے پیرس میں منعقد کیا تھا ۱۸۲۳ء کے اندر ہوئی۔ اس کے بعد اور بہت سی کانفرنسیں ہوتی رہیں۔ ۱۹۵۵ء سے لندن یونیورسٹی کے ایشیائی اور افریقی تحقیقات کے انسٹی ٹیوٹ نے تاریخ اقوام کے لکھنے کے طریقے کے موضوع کو تحقیقی اور تفصیلی طور پر پڑھائے جانے کا التزام کیا ہے۔ ۱۹۵۶ء میں ایک کانفرنس جنوب اور جنوب مشرقی ایشیاء میں رہنے والی قوموں کی تاریخ کے لکھنے کے طریقوں کے مطالعہ کے لئے منعقد ہوئی۔ جولائی ۱۹۵۸ء میں ایک کانفرنس مشرق وسطیٰ اور اس کے قریب رہنے والے لوگوں کی تاریخ کے لکھنے کے طریقوں پر غور و خوض کے لئے منعقد ہوئی۔ مورخین کا اس بات پر تقریباً اتفاق ہو چلا ہے کہ صلاح الدین ایوبی کے بعد استشراق کو یورپ کے اندر نئی شان کے ساتھ رواج حاصل ہوا ہے۔ جہاں استعماریت کے ساتھ جڑ کے اس نے اپنی کامل توجہ اس کی خدمت کے لئے مبذول کر دی۔ مستشرق گولڈزیہر کی کتاب "عقیدہ اور شریعت" کے مقدمہ میں ڈاکٹر محمد یوسف موسیٰ تحریر فرماتے ہیں کہ اس سلسلہ میں امتیازی گہری تحقیق انیسویں صدی عیسوی سے شروع ہوئی ہے۔ جبکہ یورپ کے اندر اسلام اور مشرق کی تہذیب پھیل چکی تھی اور مغرب نے اپنی استعماری طاقتوں کو مشرق اور اسلامی ممالک پر مسلط کرنا شروع کر دیا تھا۔ ایسے دور میں بہت سے یورپین علماء اسلام اس کے سرمائے اور اس کے رجال کے سلسلہ میں بحث و تمحیص کے لئے اٹھے، جن کا مقصد یہ تھا کہ اسلام کے بقاء اور اس کی ابدیت کے رمز سے آشنائی حاصل کی جائے۔ مسلم مصنفین کا جو تحریک استشراق اور اسلام کے متعلق مستشرقین کی تحریروں کا جائزہ لیتے رہتے ہیں۔ یہ خیال ہے کہ مسلمانوں کی علمی پسماندگی نے استشراق کے ظہور کو بہت مدد پہنچائی۔ چنانچہ اس نے یورپ سے آئے ہوئے طوفان کا راستہ صاف کرنے کے لئے ایک دوررس قائد کی حیثیت اختیار کی اور سامراجی حملہ آوروں کے سامنے مشرقی قوموں کی ان کمزوریوں کو بے نقاب کر دیا۔ جن کے سہارے وہ اپنے مقصد تک آسانی کے ساتھ پہنچ جائیں۔

استشراق کے مقاصد

مستشرقین کی یہ پیہم کوششیں اور استشراق کے حامیوں کا یہ عظیم جہد بے مقصد اور اٹکل پچو نہیں ہے بلکہ ایک طویل زمانہ سے استشراق حرکت کے ساتھ مستشرقین کے مخصوص نصب العین ہے جو بسا اوقات کوتاہ نظر اور فریب خوردہ شخص کی سمجھ میں نہیں آسکتا لیکن وہ مسلمان علماء جنہوں نے استشراقی حرکت اور مستشرقین کے علمی سرمائے کا مطالعہ کیا اور ان شدائد کو برداشت کیا جنہیں اس تحریک نے اسلام اور اس کی تعلیمات کے سلسلہ میں ایک غلط لٹریچر کی شکل میں ظاہر کیا ہے ان کے لئے یہ بات ممکن نہیں رہی کہ ان مقاصد سے جن کے حصول کے لئے مغربی علماء دن رات کوشاں ہیں اور اس لئے اسلام اور مشرق کے علمی سرمایوں کا مطالعہ کرتے ہیں صرف نظر کر کے تن آسانی کے فرش پر لیٹ جائیں۔ ذیل میں ہم ان کے مقاصد کو مختصر طور پر پیش کرتے ہیں۔ استشراق کے مقاصد کو مختصر طور پر پیش کرتے ہیں۔

استشراق کے مقاصد اپنے تنوع کے ساتھ ساتھ آخر میں ایک نقطے پر جمع ہو جاتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ مسلمانوں میں خصوصاً اور مشرقیوں میں عموماً روحانی اضمحلال پستی اور کمزوری کا احساس پیدا کیا جائے اور اسی طریقے سے انہیں مغربی توجیہات کی مطابقت پر اکسایا جائے۔ مستشرقین میں ایک جماعت ایسی بھی ہے جو اسلامی علوم اور عربی آداب کے ساتھ اعتناء برتتی ہے اور دوسروں کو بھی اس سلسلے کے کاموں میں حصہ لینے کے لئے شامل کر لیتی ہے۔ اس اعتناء کے نتیجہ میں اس جماعت کے اہل قلم

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی کینہ پروری قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے اور یہ اس وقت پہچانیں گئیں جب انہوں نے محمد ﷺ کے لائے ہوئے خدائی فیصلے کے خلاف سرکشی کا مظاہرہ کیا۔

کا کام یہ ہوتا ہے کہ وہ عربی ادب اور غیر عربی ادب یا اسلامی علوم اور مغربی علوم (جن کو نصرانی علوم میں شمار کرتے ہیں اس لئے کہ مغربی قوموں کا مذہب مسیحت ہی ہے) کے درمیان موازنہ کرتے ہیں اور اس کے ذریعے وہ عربی اور اسلامی ادب پر مغربی ادب کو ہمیشہ فضیلت اور برتری دیتے ہیں۔ نیز مغرب کی تہذیبی حرکت کے گوشوں کو ظاہر کر کے عرب اور اسلام کی تاریخ کی نظیروں پر تفوق اور عظمت عطا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اس سے انکار فقط ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ یہ کہ مشرقیوں میں روحانی پژمردگی اور احساس شکستگی پیدا کیا جائے تاکہ وہ مغرب کے مادی تمدن کی متابعت کے لئے مجبور ہو جائیں۔ ڈاکٹر عمر فروخ مستشرقین اور ان کے ہم خیالوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ تبلیغ اور استشراق استعماریت کے مقاصد کے حصول اور اسے دنیا کے مختلف گوشوں اور خطوں میں پھیلانے کے عوامل اور اسباب ہیں مستشرقین اپنے استشراق اور تبلیغ کے ذریعہ فقط ایک مقصد کے حصول پر اپنی نگاہیں جمائے ہوئے ہیں اور وہ یہ کہ استعماری خواہشات کو پورا کیا جائے اور اس کی توسیع پسندی کی پیاس کو بجھایا جائے۔ استعماریت کے حاملین اسلام اور مسلمانوں کو اپنا سب سے عظیم دشمن سمجھتے ہیں۔ اسی وجہ سے وہ اپنے دلوں میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف بغض و حسد کی بھٹیاں سلگائے پھرتے ہیں اور مسلمانوں اور اس دین کی بے محل عیب جوئیاں کرتے رہتے ہیں جن سے عربوں اور دیگر بہت ساری اقوام کو جنہوں نے اسے ایک نظام زندگی کی حیثیت سے اختیار کیا بے مثال بلندی بخشی اور ظلم و خود غرضی کے خلاف انقلاب انگیز آواز بلند کی۔ جو استعماریت کی عظیم ترین خصوصیت ہے۔

ڈاکٹر موصوف نے مزید کہا ہے

کہ استعماریت کے پرستار علماء اور ان کے ہم خیالوں نے یہ یقین کر لیا ہے کہ یہ تہذیب ممکن نہیں کہ پائمال ہو سکے۔ اس لئے انہوں نے اس کے چہرے کو اپنے خونخوار پنجوں سے نوچنے کی کوشش کی۔ تاکہ اس کی مکروہ صورت اپنے ماننے والوں کے دلوں سے اپنا مقام کھو بیٹھے اور یہ معاملہ ان کے لئے آسان تھا ایسا کرنا ان کا گمان تھا۔ اس لئے انہوں نے کام کو دو حصوں میں بانٹ دیا ایک حصہ وہ ہے جو اسلام کے پیغام کی حقیقت سے بحث کرتا ہے۔ جس پیغام کو مشرقی اور عربی مسلمانوں نے خود اختیار کیا اور لوگوں کو اس کی طرف دعوت دی۔ اس حصہ میں انسانی ترقی اور اس کی عظمت کے اسلامی اصول اور حقائق سب شامل ہیں اور دوسرا حصہ ان حقائق سے بحث کرتا ہے جو عصر حاضر سے پہلے لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ لیکن پہلا حصہ اسلام کے ٹھوس اور درست حقائق کو عربوں اور مسلمانوں کی بجائے غیر مسلموں کے لئے مختص کر دیتا ہے۔ جیسا کہ ایک فرانسیسی عالم ارنسٹ رینان کہتا ہے کہ عربی فلسفہ فی الحقیقت یونانی فلسفہ ہے جو عربی رسم الخط میں لکھا ہوا ہے۔ رینان اور اس کے متبعین کے نزدیک اسلامی فلسفے کا ہر دلآویز مظہر ایرانیوں، یونانیوں نیز نساطرہ اور یعاقبہ ہی سے مستعار لیا گیا ہے یا اسکی حیثیت مشکوک ہے۔ مبلغین اور استعماریت کے حامیوں کی کتابیں اسلامی عبقریت کے انکار سے بھری پڑی ہیں ہمیں اس سے انکار نہیں کہ یونانیوں نے جو اساس دنیا کے سامنے پیش کی عربوں نے اپنے فلسفے کی بنیاد اس اساس پر رکھی۔ لیکن انصاف سے بہت دور کی بات ہو گی اگر ہم یہ کہیں کہ عربوں نے یونانی فلسفے کو جوں کا توں لے کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ بلکہ انصاف کی بات تو یہ ہے کہ عربوں نے اس فلسفے کی تنقیح اور تصحیح کی۔ اس کے اندر اضافہ کیا اور اس کے ذریعے ایسا پیغام دنیا کو پہنچایا کہ امتوں کی تاریخ میں اس کی مثال بہت کم ملتی ہے۔

جارج سارٹن جو دنیا کی علمی تاریخ کے قابل اعتماد عالموں میں سے ہے کہتا ہے کہ وہ لوگ جو عربوں کی خوبیوں کا انکار کرتے ہیں اور انہیں ان کے شایان شان مقام عطا نہیں کرتے وہ اپنے اس قول سے استدلال کرتے ہیں کہ مختلف مراجع سے مواد حاصل کرنا ایک مرجع اور ماخذ سے حاصل کرنے سے بہتر نہیں ہے اور یہ ایک گمراہ کن میدان ہے۔ خصوصاً جبکہ ریاضیات کے بارے میں کلام کیا جائے۔ عرب ریاضی دانوں نے یونانی اور سنسکرتی مراجع کو یونہی نقل نہیں کر لیا اور اگر کیا بھی تو اس پر بالکلیہ بھروسہ نہیں کر لیا بلکہ دونوں مراجع کو جمع کیا پھر یونانی افکار و نظریات کو ہندوستانی افکار و نظریات کے ساتھ ملا کر کے اس سے اعلیٰ قسم کے نظریات حاصل کئے۔ اگر عربوں کا یہ کام محاسن میں شمار نہیں ہو سکتا تو یہ کہنا قطعاً بے جا نہ ہو گا کہ علم کے دفتروں میں حسن و خوبی کا وجود ہی نہیں، علمی ندرت اور تخلیقی کارنامہ فی الحقیقت یہی ہے کہ مختلف نوعیت کے دھاگوں کو ایک کپڑے میں بن دیا جائے۔ ورنہ ندرت کوئی ایسی شے نہیں جسے پردہ عدم سے عریاں کیا

جائے۔ یہود و مستشرقین کے سلسلہ میں بھی ایک چیز یہاں قابل لحاظ ہے اور وہ یہ کہ استشراق کے ساتھ ان کا اعتقادی دینی حیثیت سے یہ ہے کہ اسلام کو کمزور بنایا جائے اور اس کے نظریات میں تشکیک پیدا کی جائے کہ یہودیت اسلام سے افضل ہے۔ اس لئے کہ یہودیت اسلام کا اولین ماخذ اور منبع ہے اور سیاسی اسباب کی بنا پر فکری حیثیت سے صہیونیت کو اپنانا پھر حکومت کو مستحکم اور پائیدار کرنا ان کا نصب العین ہے۔ بعض اوقات ان خیالات کی تائید کے لئے کوئی ماخذ ہاتھ نہیں آتا۔ البتہ مستشرقین کی تحریروں میں عام اور مشہور اسالیب بیان کے ذریعہ اس نقطہ نظر کی گہرائی اور اصلیت کا سراغ مل جاتا ہے اور بعض علمی طریقہ فکر کا کھوج لگ جاتا ہے۔ آج کل محققین کا اس پر پورا اتفاق ہو چلا ہے کہ اسلام کے خلاف لکھنے والے کینہ وروں میں سب سے زیادہ خطرناک دو جماعتیں ہیں۔ جنہیں پروپیگنڈہ کے ایسے وسائل حاصل ہیں جو دوسری جماعتوں کو میسر نہیں۔ ہماری مراد صیہونیت اور استعماریت سے ہے۔ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف یہودیوں کی کینہ پروری قدیم زمانہ سے چلی آرہی ہے اور یہ اس وقت پہچانے گئے جب انہوں نے محمد صلعم کے لائے ہوئے خدائی پیغام کے خلاف سرکشی کا مظاہرہ کیا۔

قرآن نے سورہ مائدہ کے آخر میں ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کی یہ حالت بیان کی ہے کہ ہر زمان و مکان میں یہ حیات موت خصال بسر کرنے پر مجبور ہوں گے۔ یہ کافروں کو اپنا سربراہ تسلیم کرکے مسلمانوں کے خلاف ان کی مدد کرتے ہیں اور اس کی صرف ایک وجہ ہے کہ یہ اللہ اور محمد صلعم پر ایمان نہیں لائے اور خدائے تعالیٰ کے آخری دین میں داخل نہیں ہوئے۔ اس لئے یہ مومن نہیں ہیں اگر یہ مومن ہوتے تو کافروں کو اپنا حاکم نہ بناتے۔

ترى كثيرا منهم يتوبون الذين كفروا بئس ما قدمت لهم انفسهم ان سخط الله عليهم و في العذاب هم خالدون ولو كانوا يومنون با الله و النبي وما انزل اليه ما اتخذوهم اولياء ولكن كثيرا منهم فاسقون۔

یہ اوصاف جس طرح نبی صلعم کے عہد کے یہودیوں میں پائے جاتے تھے۔ بعینہ اس زمانہ کے یہودیوں میں بھی پائے جاتے ہیں اور آئندہ ہر زمانہ میں پائے جائیں گے۔ چند سال پہلے مادہ پرست اور ملحدین سے انہوں نے سازش کی اور تمام عرب نیز سارے مسلمانوں کو جون ۱۹۶۷ء جو نچاں جنگ کے ذریعہ ایک عظیم ٹوٹے میں مبتلا کر دیا۔ یہ اپنے ناپاک ارادوں نیز اسلامی سلطنتوں پر تسلط جما کر استعماری خواہشات کو پورا کرنے کے لئے ہمیشہ اسلام کو دھمکاتے ہیں اور اپنی اوباش چالوں سے انسانیت کو مستقبل میں پنپنے سے باز رکھتے ہیں۔ لیکن اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ان کے فتنوں سے بچانے کے لئے کافی ہے۔

تعصب اور رواداری کے مظاہر

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف مستشرقین کی کینہ پروری کی بے شمار مثالوں میں سے ایک مثال وہ ہے جسے ڈاکٹر مصطفیٰ السباعی نے اپنی کتاب "التشریع الاسلامی" میں ذکر کیا ہے۔ جب ڈاکٹر موصوف نے یورپ کا سفر کیا اور وہاں مغربی علماء خصوصاً ان لوگوں سے جو اسلامی اور مشرقی تحقیقات کا شغل رکھتے تھے ملاقات کی۔ ڈاکٹر موصوف فرماتے ہیں کہ پہلا شخص جس کے یہاں میں حاضر ہوا وہ پروفیسر انڈرسون ہے۔ جو لندن یونیورسٹی کے شعبہ علوم شرقیہ میں علام اسلام میں رائج شخصی قوانین کے شعبہ کا صدر ہے۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے سندیافتہ فاضلوں میں سے ایک شخص کو جو لندن یونیورسٹی سے اسلامی فقہ میں پی ایچ ڈی کی ڈگری حاصل کرنا چاہتا تھا۔ اس بنا پر سند سے محروم کر دیا کہ انہوں نے اسلام میں عورت کے حقوق کے سلسلہ میں اپنے خیالات کا اظہار کیا کہ اسلام نے عورت کو اس کے پورے پورے حقوق عطا کئے ہیں۔ مجھ کو اس پر بڑا تعجب ہوا۔ میں نے اس مستشرق سے پوچھا کہ اس سبب کی بناء پر آپ نے اسے سند سے کیونکر محروم رکھا۔ جبکہ آپ اپنی یونیورسٹیوں میں حریت کا اعلان کرتے پھرتے ہیں۔ انہوں نے کہا۔ اس لئے کہ یہ شخص کہتا تھا کہ عورت کے بارے میں اسلام نے فلاں فلاں بنیادی حقوق مقرر کئے ہیں تو کیا یہ شخص اسلام کا کوئی مخصوص نمائندہ ہے۔ کیا یہ ابو حنیفہ اور شافعی ہے کہ اسلام کے بارے میں اس جرأت اور بے باکی سے کام لے اور عورت کے حقوق کے بارے میں ایسی چیزوں کا تذکرہ کرے۔ جنہیں متقدمین فقہاء نے ذکر نہیں کیا ہے۔ یہ خود پسند آدمی ہے۔ اس لئے کہ اس کے دعوے سے یہ بات پوری طرح ترشح ہوتی ہے کہ ان نے ابو حنیفہ اور شافعی سے زیادہ اسلام کو سمجھ لیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس کلام پر کسی تبصرے کی ضرورت نہیں۔ اس لئے کہ

اسلام کے بارے میں مستشرقین کے نظریے اور مسلمانوں کے خلاف ان کے تعصب پر یہ کلام خود ایک روشن دلیل ہے۔ اس کلام سے ہم مستشرقین کے علم کے معیار اور ان کے تعجب انگیز طریقہ استدلال کو معلوم کر سکتے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کی تعلیم کے سلسلہ میں کلام کرنے اور عورت و مرد کے بارے میں اس کے قوانین پر رائے زنی کا حق صرف متقدمین فقہاء کو پہنچتا ہے۔ ان کے علاوہ بعد کے علمائے اسلام کو کوئی حق نہیں کہ ان چیزوں کے بارے میں کلام کریں۔ اسی طرح ہنگری مستشرق گولڈ زجہر ہے۔ جس نے محض یہ ثابت کرنے کے لئے ایک کتاب لکھ ڈالی کہ اسلامی شریعت کا نزول محمد ﷺ پر آسمان سے نہیں ہوا ہے۔ بلکہ وقتاً فوقتاً مختلف باتوں کے اضافہ سے موجودہ شریعت مرتب ہوگئی ہے۔ یہ مستشرق اپنی کتاب العقیدہ والشریعۃ میں محمد ﷺ کے بارے میں لکھتا ہے کہ نبی ﷺ کی دعوت دینی افکار و معارف کا ایک نچوڑ ہے۔ جنہیں انہوں نے یہودی مسیحی نیز دیگر عناصر سے ان کے روابط تھے حاصل کیا۔ جو ابنائے وطن میں اپنا گہرا اثر چھوڑ سکیں اور ان کے حقیقی دینی جذبات کو ابھار سکیں۔

شیخ محمد الغزالی اس جھوٹے اور بے حقیقت کلام کی تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ ایک لغو کلام ہے کیونکہ ہمارے زمانہ کی اصطلاح کے مطابق محمدؐ نے یہودی اور نصرانی افکار کو دنیا کے سامنے اخذ کر کے پیش کیا اور یہ بتایا کہ ان لوگوں نے اپنے عقائد اور دینی کتابوں میں تحریف کر ڈالی ہے۔ محمد ﷺ نے توحید اور اصلاح عمل اور انفرادی و اجتماعی ترقی کے سلسلہ میں ایک ایسی تفصیلی اور قلب و جگر کو اپیل کرنے والی دعوت دی جس کی نظیر ان موجودہ کتابوں میں نہیں پائی جاتی۔ جنہیں موسیٰ اور عیسیٰ کی طرف منسوب ہونے والے حضرات نے مرتب کیا۔ پھر یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک صحیح الفکر رہنما خطا کار پراگندہ خیالوں سے رہنمائی حاصل کرلے۔ یہ مستشرق اس بات کا التباس پیدا کرنا چاہتا ہے کہ دین اسلام دیگر نظریات اور فلسفوں خصوصاً یہودیت اور نصرانیت سے اقتباس کر کے مرتب کیا گیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ اس قسم کے وہم کی گنجائش یا امکان اس وقت ہو سکتا ہے جبکہ سابق دین آنے والے دین کے مقابلہ میں زیادہ مکمل اور مستغنی ہو۔ لیکن محمد ﷺ کا لایا ہوا دین گزرے ہوئے نظامہائے حیات سے وسیع تر ہے، پھر اس بات کا تصور کیسے کیا جا سکتا ہے کہ غنی فقیر کے سامنے دست سوال دراز کرے اور مستطیع عاجز سے نصرت کا طلبگار ہو۔ کسی عظیم الشان محل کے مالک کو اس بات کے ساتھ متہم کرنا کہ اس نے اپنے فلک بوس محل کو گرد و پیش کی شکستہ و ویران عمارتوں کی اینٹوں سے تعمیر کیا ہے قطعاً مناسب نہیں۔ اس میں شک نہیں کہ اسلام کی تعلیمات اور گزرے ہوئے آسمانی ادیان کے اندر مشابہت پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کی وجہ یہ ہے کہ ان ساری تعلیمات کا منبع وہی خدائے واحد کی ذات ہے اور وہ پائندہ اصول جو زمانے کے تغیر و تبدل کے باوجود نہیں بدلتے سب ایک ہیں۔ لیکن اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ اسلام نے دوسروں کی تقلید کی ہے۔ (دفاع عن العقیدہ و الشریعۃ ص ۹۱)

لیکن ایک بات یہاں زیر نظر رکھنا ناگزیر ہے کہ تمام مستشرقین اسلام کے مبادی اور اصول کے سلسلہ میں اپنے اذکار و خیالات کے اظہار میں یکساں نہیں ہیں۔ بلکہ اسلام دشمنی، کینہ پروری اور انصاف پسندی و اعتراف فضیلت میں ان کے موقف الگ الگ ہیں۔ ان میں کچھ ایسے ہیں جنہیں ہوا و ہوس کے نشے نے جہالت کی بناء پر یا علم کے باوجود گمراہ کر دیا اور کچھ ایسے ہیں جو انصاف پسندی کو ترجیح دیتے ہیں۔ اس لئے بحث و تمحیص کے بعد جب حق بات ان پر واضح ہو جاتی ہے تو وہ اس کا اعلان کر دیتے ہیں۔ ہم ان مستشرقین میں سے جو اسلام کے ساتھ حق پسندی سے کام لیتے ہیں اور مستشرقین کی کثیر تعداد کے تعصب اور ان کی عیب جوئی کرنا پسند کرتے ہیں صرف ایک کا ذکر کرتے ہیں اور وہ فرانسیسی مستشرق امیل ڈرمنگم ہے۔ دیگر مستشرقین کی تحریروں میں دین اسلام کے بارے میں جو چیزیں ملتی ہیں ان کا تذکرہ یوں کرتا ہے کہ جب اسلام اور مسیحیت کے درمیان گھمسان کی جنگ برپا ہوئی تو اختلاف اور ناچاقی کی ایک وسیع خلیج درمیان میں حائل ہوگئی۔ سب کا ماننا پڑے گا کہ مغربی لوگ فضاء کو ناساز گار بنانے میں آگے آگے تھے۔ بزنطینیوں میں بھی ایسے لوگ بہت ہیں جنہوں نے اسلام کو نقصان پہنچایا۔ ان کے اہل قلم اور اہل نظام نے اندلس کے مسلمانوں سے گندی عیب جوئی کا معرکہ گرم کیا۔ (حیاۃ محمد، امیل درمنگم ص ۱۳۵)

علمائے اسلام کا فرض

دین اسلام کے استقبال اور اس کے اصول و مبادی کے انہدام نیز تحریف شدہ مسیحیت کو دنیا میں اجاگر کرنے کے سلسلہ میں مستشرقین اور مبلغین کی کوششوں کا ایک مختصر

جائزہ لیا۔ یہاں میں اچھا سمجھتا ہوں کہ ایک مسلمان زائر کا کلام نقل کردوں جنہوں نے وسطی افریقہ کا سفر کیا اور جنوبی سوڈان میں کچھ مدت قیام کر کے مسیحیت کے علمبرداروں اور مبلغین کی تحریک اور ان کی مہم کوششوں کا مشاہدہ کیا وہ کہتا ہے کہ یہ مبلغین یورپ اور امریکہ سے افریقہ کے ایسے مقامات پر آتے ہیں جہاں انتہائی اضطراب اور تنگی کر زندگی گزارنی پڑتی ہے۔ وہاں جنگلوں میں زندگیوں کے ساتھ چھ چھ اور دس دس سال کی طویل مدت تک قیام کرتے ہیں وہاں وہ کسی قسم کی گھبراہٹ اور کس نوع کا اضطراب محسوس نہیں کرتے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ اپنے ممالک میں اس کام کیلئے تیار کئے جاتے ہیں اور وہ اس تنہائی اور تاریک زندگی پر راضی ہوجاتے ہیں پھر یہ مبلغین اسلامی علاقوں میں مدارس کھولتے ہیں اور یہ ظاہر کرتے ہیں کہ ہم دینی مسائل سے کوئی سروکار نہیں رکھتے۔ اس سے ان کی غرض یہ ہوتی ہے کہ وہ ایسے مسلمان طلباء کو پیدا کریں۔ جو یہ محسوس کریں کہ ان مدارس کو ان پر فضیلت حاصل ہے۔ چنانچہ جب ان کے ملکوں میں معاملات اور امور کی کنجیاں ان کے ہاتھوں میں سونپی جاتی ہیں تو وہ اس تبلیغ سے صلح کر بیٹھتے ہیں اور اس کے خطرات سے چشم پوشی کر جاتے ہیں۔ یہ مبلغین اصنام پرست خطوں میں مدارس اور ہسپتال کھولتے ہیں اور بچوں کو مسیحیت کے مبادات کی تعلیم دیتے ہیں۔ نہایت نرمی کے ساتھ اس مقصد کے حصول کی کوشش میں لگے رہتے ہیں۔ حتی کہ وہ اس کے پیچھے اپنی خودداری کو بھی فروخت کردیتے ہیں۔ اس سے ان کا مقصد صرف یہی نہیں ہوتا کہ انہیں مسیحیت کی طرف مائل کردیا جائے۔ بلکہ یہ اس بات کی تمہید ہوتی ہے۔ جو بچہ ان کے مدرسے میں زیر تعلیم ہے۔ وہ اپنے گھر میں ایک سازگار فضاء پاجائے اور اس طرح مسیحیت کے مبادی اس کے ذہن میں راسخ ہوجائیں۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ مبلغین نے مرض کا علاج کیا۔ جاہلوں کو سکھلایا وہاں کے شہریوں کے ساتھ رہن سہن اختیار کیا۔ معاملات میں ان سے قریب ہونے کی کوشش کی۔ ان کے ہاتھوں میں عظیم امکانی قوتیں تھیں جن کے ذریعہ انہوں نے اپنے پیغام کو مکمل طور پر لوگوں تک پہچایا۔ (مجلہ الازہر ۳ ص ۹۸۸) یہ ایک سیاح کا تاثر ہے۔ جسے مسیحی تبلیغ کے بعض مظاہر کے مشاہدے کا اتفاق پڑا۔ اس کو معاملہ بہت اہم معلوم ہوا اور اس نے دین مسیح کی تبلیغی کوششوں کے سلسلہ میں اپنے تاثرات کو قلمبند کیا۔ ان تبلیغی کوششوں اور مستشرقین کی ان تحقیقوں کے مقابلے میں مسلمان علماء کا کیا فریضہ ہے۔ جو اپنی علمی بحثوں اور خدمتوں کے دعوے کے پس پردہ اسلام کی عیب جوئی کرتے ہیں اور اس کی ایسی تصویر پیش کرتے ہیں۔ جس سے مسلمان متنفر ہوجائے اور وہ یہ سمجھنے لگے کہ یہ دین حق نہیں ہے۔ تاگفتہ بہ خالات کے تقاضے علمائے اسلام کے کندھوں پر ایک عظیم بوجھ ڈالنا چاہتے ہیں اور وہ یہ ہے کہ ایک طرف اسلام کے مبادی کی تشریح پوری دقت نظری اور صفائی کے ساتھ عملی طریقہ پر کی جائے اور دوسری طرف مستشرقین اور ہوس رانوں کے اعتراضات کا رد عمل اور استیصالی انداز میں کیا جائے۔ اگر ایسا لوگوں نے کیا تو ان کی یہ کششیں ضرور رنگ لائیں گی اور مستشرقین یا ان میں سے کچھ لوگوں کو ان کے کثیر ذخائر سے اسی کی طرف مائل کردیں گی اور پورے اطمینان اور دلی انبساط کے ساتھ ان کو انہیں نتائج پر قانع کردیں گی۔ جن پر علماء اسلام پہنچے ہیں۔ لیکن ان نتائج تک پہنچنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اس میں ثبات قدمی 'استقلال' آزاد نگاہی اور بالغ نظری درکار ہے۔ مگر ایسا بھی نہیں کہ یہ مستحیل اور ناممکن ہے۔ یہ کام اگر علمائے اسلام اختیار کرلیں تو یقیناً اسلام اور انسانیت کے لئے مستقبل میں یہ ایک عظیم الشان باثر کارنامہ ہوگا۔ اگر ہم اس میں کامیاب ہوگئے تو گویا ہم نے انسانیت کے لئے ایک ایسی فضاء پیدا کردی ہے۔ جہاں وہ مادی اور روحانی دنیا کے ان طریقوں سے ہم آہنگ ہوسکے جہاں اس کی سعادت کے اسباب مہیا ہوں اور اگر ہم اس میں کامیاب ہوگئے تو آج کے موجودہ زمانے میں اسلام کا انسانیت پر ایک عظیم احسان ہوگا۔ جیسے کہ قرون اولی میں تھا۔ جب عرب ایک جزیرہ نما سے اس عزم کے ساتھ اٹھے کہ اس کے بلند اصول و مبادی کو سارے عالم میں پھیلا دیا جائے۔ یہ بات بالکل ظاہر ہے کہ یہ کام مسلمانوں کے مختلف فرقوں اور جماعتوں میں سے کسی ایک فرقے اور جماعت سے انجام نہیں پاسکتا۔ بلکہ اس کے لئے اجتماعی کوشش درکار ہے۔ تمام جماعتیں اور تمام فرقے اپنے ایمان اور مذہب کے بچاؤ کے نام سے اٹھیں اور اپنے تمام بکھرے ہوئے دانوں کو ان طعن و تشنیع اور افتراپردازی کرنے والوں کے مقابلے میں اکٹھا کر کے ان کا سخت استیصالی جواب دیں اور بقاء وحیات کے اس معرکے میں جسے حالات نے پیش کیا ہے۔ اپنے دین پر ثابت قدم رہیں۔

بقیہ صفحہ نمبر ۴۸